زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی آراء عصر حاضر کے تناظر میں: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

OPINIONS OF JURISTS REGARDING ZAKAT OF JEWELRY IN CONTEMPORARY WORLD: A RESEARCH BASED CRITICAL STUDY

ڈاکٹر احسان اللہ چشتی*

ڈاکٹر عائشہ صنوبر**

ABSTRACT

This research article is regarding an important issue of zakat of women’s gold and silver’s jewelry for their daily use and self-decoration, whether will be considered as s subject of zakat or not? This is an important issue of Islamic jurisprudence, and scholars are differed from the very beginning in this regard, due to interpretation of legal texts and different narrated prophetic traditions and opinions of the companions of Prophet (peace be upon him). As far as concerned to the topic, legal ruling of the companions is different from each other in this regard. In this study, opinions of companions of Prophet (peace be upon him), later Muslim scholars and Jurists have been explained along with their legal basis and texts of the Holy Quran and Sunnah. Furthermore, the case of jewelry for the purpose of trade or which exceed from the necessity has been discussed in detail.

The method of study adopted in the research work is analytical while explaining and narrating the opinions and rules of Muslim jurists concerned to the issue.

KEYWORDS: jewelry, gold, silver, Zakat, Islamic jurisprudence

مقدمہ

شریعت اسلامیہ کے احکام عملیہ کا تعلق انسانوں کے مصالح اور ان کی دنیاوی واخروی فلاح وبہبود پر مبنی ہے اس لیے

* لیکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ پاکستان ihsanullah.chishti@iiu.edu.pk

** اسسٹنٹ پروفیسر، سردار بہادر خان یونیورسٹی، کوئٹہ۔ پاکستان snober_84@hotmail.com

شارع نے احکام کی مشروعیت میں ان مصالح کا لحاظ انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے رکھا ہے۔ عبادات اگرچہ امور تعبدی کی وجہ سے اوامر کے امتثال اور مکلف کی ابتلاء کے لیے مشروع قرار دیئے گئے ہیں لیکن اللہ جل شانہ نے ان میں پوشیدہ اسرار و حکم خود گاہے بگاہے واضح فرمائے ہے تاکہ مکلفین کی نظر سے یہ پہلو اوجھل نہ رہے اور انہیں اس حوالے سے بھی ترغیب و تحریص کا سامان فراہم ہوتا رہے۔

امور تعبدی میں سے ایک اہم اور اسلام کا بنیادی رکن زکوۃ کی ادائیگی ہے جس کا مقصد معاشرے کے اجتماعی معاشی مسائل کا حل ہے تاکہ حکومت وقت کو بروقت مستحقین کی ضروریات پوری کرنے میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے اور معاشرے میں معاشی توازن برقرار رہے چنانچہ زکاۃ کی ادائیگی ایک طرف اگر انفرادی طور پر ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے تو دوسری طرف حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا مربوط نظام وضع کریں جس کے ذریعے زکوۃ کی وصولی اور مستحقین کی ضروریات سے بآسانی عہدہ برآں ہو سکے۔

اس رکن کے احکام کتاب و سنت اور کتبِ فقہ میں تفصیلی طور سے پائے جاتے ہیں لیکن کچھ مختلف فیہ مسائل تحقیق طلب ہیں۔ جن میں سے ایک اہم مسئلہ سونے اور چاندی کے زیورات میں زکوۃ کے وجوب کا ہے۔ یہ مقالہ زیورات سے متعلق فقہاء کی آراء اور ان کے متدلات کے تحقیقی مطالعہ پر مبنی ہے۔ جب کہ عصر حاضر کے تناظر میں اس کی معنویت بھی واضح کی جائے گی کیوں کہ موجودہ دور میں قومی اور بین الاقوامی طور پر کاغذی کرنسی کی وجہ سے سونے اور چاندی کی بجائے سکہ رائج الوقت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے اور عمومی طور پر لوگ اس بابت غلط فہمی کا شکار ہیں جس کی وجہ سے زیورات کا زکوۃ ادا کرنے یا نہ کرنے میں اور اس کے نصاب سے متعلق شرعی حکم میں غلطی کر جاتے ہیں اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس بابت نصوص شرعیہ اور فقہی آراء کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔

صلب موضوع پر بحث سے پہلے کچھ اہم مقدمات بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق موضوع کے حکم سے براہ راست ہے۔

ا: زیورات کا مفہوم

زیورات کے لیے عربی زبان میں لفظ "حلی" استعمال ہوتا ہے اور حلی سے مراد خواتین کی زیب وزینت کے لیے استعمال شدہ اشیا ہوتے ہیں۔ عموماً ذہن حلی اور زیورات سے انہی اشیا کا تصور کرتا ہے جو سونے یا چاندی سے بنے ہوئے ہوں۔

صاحب کشاف نے اس کی تعریف یوں کی ہے: **والحلی**: اسم لما یتحسن به من الذهب والفضة[1] سونے چاندی

کے بنے ہوئے اشیا جنہیں خوبصورتی کے لیے زیب تن کیا جائے۔ اسی طرح المبسوط میں اس کی وضاحت درج ہے کہ

وَالسِّوَارُ وَالْخَلْخَالُ وَالْقِلَادَةُ وَالْقُرْطُ مِنْ الْحُلِيِّ، لِأَنَّهَا تُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالَ الْحُلِيِّ لِلتَّزَيُّنِ بِهَا حَتَّى يَخْتَصَّ بِلُبْسِهَا مَنْ يَلْبَسُ الْحُلِيَّ[2]

کنگن، پازیب اور ہار وغیرہ پر حلی کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ اسے زیب وزینت کی غرض سے زیب تن کیا جاتا ہے چنانچہ جن اشیا کو اس مقصد کے لیے استعمال میں لایا جائے انہیں زیورات کے ضمن میں لایا جائے گا۔ یہ عبارت اس لحاظ سے عموم پر مبنی ہے اور اس میں سونے، چاندی اور دیگر اشیا سے بننے والے زیورات بھی حلی کے مفہوم میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن صاحب مبسوط نے اس بابت تصریح کی ہے[3] کہ فقہائے احناف کا حلی کے اطلاق کی بابت اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق حلی کا مفہوم صرف سونے اور چاندی سے بنائے ہوئے زیورات پر ہوگا جب کہ موتی یا اس جیسی اشیا سے بنائے گئے زیورات حلی نہیں کہلائیں گے جب تک کہ اس میں سونے یا چاندی کی آمیزش نہ ہو اس کے برعکس صاحبین کی رائے یہ ہے کہ اصل مقصود زیب وزینت ہے اس لیے اس میں عموم ہے اور ہر وہ چیز جو زیب وزینت کے لیے اختیار کی جائے اسے زیورات یعنی حلی کے مفہوم میں داخل سمجھا جائے گا امام اعظم کا استدلال نص قرآنی سے ہے کہ اللہ کا ارشاد مبارک ہے:

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ[4]

ان کو وہاں سونے کے کنگنوں سے مزین کیا جائے گا۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا[5]

انہیں اس میں ایسے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا جو سونے اور موتیوں کے ہونگے۔

وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا[6]

اور اس سے وہ زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو۔

ان آیات کریمات میں حلی کا اطلاق عموم پر مبنی ہے لیکن مذکورہ بالا اختلاف کی بنیاد اور اساس کی وضاحت کرتے ہوئے امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

كَذَلِكَ مِنْ حَيْثُ الْعُرْفُ يُسْتَعْمَلُ ذَلِكَ اسْتِعْمَالَ الْحُلِيِّ، فَالْمَرْأَةُ قَدْ تَلْبَسُ عِقْدَ لُؤْلُؤٍ لِلتَّحَلِّي بِهَا وَلَكِنَّ أَبُو حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - شَاهَدَ الْعُرْفَ فِي عَصْرِهِ وَأَنَّهُمْ يَتَحَلَّوْنَ بِاللُّؤْلُؤِ مُرَصَّعًا بِالذَّهَبِ أَوْ الْفِضَّةِ وَلَا يَتَحَلَّوْنَ بِاللُّؤْلُؤِ وَحْدَهُ فَبَنَى الْجَوَابَ عَلَى مَا شَاهَدَهُ۔[7]

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دور میں حلی کا اطلاق عرف میں صرف ان زیورات پر ہوتا تھا جو سونے چاندی یا ان کی آمیزش پر مبنی ہوتے تھے جب کہ صاحبین کے عہد میں رواج تبدیل ہونے کی وجہ سے موتی کے ہار اور اس قسم کی دوسری چیزوں پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ مزید بر آں فقہائے احناف کے ہاں حلی کے مفہوم اور اطلاق میں اس حد تک توسع پایا جاتا ہے کہ سونے سے مزین تلوار، شمع دان، برتن اور اس قسم کی دیگر اشیا بھی اس میں داخل ہے۔[8] المدونۃ میں بھی باعتبار عرف "حلی" کا عام مفہوم لیا گیا ہے اور موتیوں، زبرجد، یاقوت وغیرہ سے بنائے گئے اشیائے زیب وزینت کو بھی حلی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے[9] جب کہ تفسیر قرطبی میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ جواہر، یواقیت اور زمرد "حلی" کے مفہوم میں شامل ہیں۔[10]

فقہائے شافعیہ کے ہاں اگر کوئی خاتون قسم اٹھائے کہ وہ زیورات نہیں پہنے گی اس کے بعد وہ موتیوں کا ہار پہن لے تو حانث ہو جائے گی کیونکہ حلی کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔[11] اسی طرح حنابلہ کے ہاں بھی اس کا اطلاق عمومی ہے۔[12]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حلی اور زیورات کا اطلاق امام اعظم کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں ان تمام اشیاء پر ہوتا ہے جسے خواتین زیب وزینت کے لیے استعمال میں لاتیں ہیں جب کہ بنیاد اس کا عرف ہے کیوں کہ نصوص میں اس کی تحدید اور تعیین نہیں کی گئی۔

سبب وجوب زکوۃ

پہلے مقدمے کے بعد کہ حلی کا مفہوم کیا ہے یہ بھی واضح ہونا ضروری ہے کہ وجوب زکوۃ کا سبب کیا ہے؟ چنانچہ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق زکوۃ کے وجوب کے لیے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے کیوں کہ اگر نصاب پورا نہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہو گی۔

دوسرا سبب اس مال کا اموال نامیہ میں سے ہونا ضروری ہے۔ ان دونوں کو ملا کر امام سرخسی نے اسے سبب گردانا ہے چنانچہ ان کی تصریح یوں ہے کہ: فَصَارَ السَّبَبُ النِّصَابَ النَّامِيَ[13] اس کے مطابق نصاب کا نامی ہونا ضروری ہے۔ اور مجمع الانہر میں سبب کے متعلق لکھا گیا ہے کہ: لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي فَلَا بُدَّ مِنْهُ تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا[14] جب کہ اس کے برعکس اس کی تصریح "تحفۃ الفقہاء" میں بطور شرط کی گئی ہے کہ: لأن من شرط وجوب الزَّكَاة أن يكون المَال ناميا۔[15] کہ وہ مال نمو کی صلاحیت کا حامل ہو۔ اسی طرح صاحب بدائع سبب صرف "مال" قرار دیتے ہیں اور نمو ان کے ہاں شرط ہے۔[16]

چنانچہ احناف کے ہاں یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے جو مستقل مقالے کا متقاضی ہے کیوں کہ صاحب "کنز" نے نصاب کو شرط قرار دیا ہے جب کہ صاحب "درر" نے اسے سبب قرار دیا ہے اور صاحب بحر نے اس میں تطبیق یوں کی ہے کہ سبب پر شرط کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن علامہ شامی نے صاحب بدائع کا قول اختیار کیا ہے کہ سبب صرف مال ہی ہے[17]۔ جس طرح کہ "تحفۃ الفقہاء" کے ماقبل عبارت میں اس پر شرط کا اطلاق کیا گیا جب کہ ایک اور عبارت میں اموال تجارت کے بحث میں مال نامی کو سبب وجوب قرار دیا اس کی تصریح یوں کی گئی ہے کہ: لِأَن سَبَب وجوب الزَّكَاة هُوَ الْمَال النامي الْفَاضِل عَن الْحَاجة[18] کہ وہ مال نامی اور حاجۃ اصلیہ سے زائد ہو۔

مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ: ولأن المعتبر في وجوب الزكاة هو النماء لأنها تجب بوجوده وتسقط بعدمه۔[19] چنانچہ ان کے ہاں نما کا اعتبار ہے اگر نما پایا جائے تو زکوۃ واجب ہے ورنہ وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح وجوب زکوۃ کا مدار شوافع کے ہاں نما ہے اور اس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوتی ہے۔[20] یہی مذہب حنابلہ کا بھی ہے۔[21]

ایک بنیادی سوال اس بابت یہ ہے کہ کیا نمو کی محض صلاحیت ہی وجوب زکوۃ کے لیے کافی ہے یا بالفعل نمو کا موجود ہونا ضروری ہے؟ اس کا جواب بدائع الصنائع میں دیا گیا ہے کہ: وَلَسْنَا نَعْنِي بِهِ حَقِيقَةَ النَّمَاءِ، لِأَنَّ ذَلِكَ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ وَإِنَّمَا نَعْنِي بِهِ كَوْنَ الْمَالِ مُعَدًّا لِلِاسْتِنْمَاءِ۔[22] چنانچہ احناف کے ہاں اثمان اور نقود میں بالقوۃ نماء کافی ہے اگرچہ بالفعل نہ پایا جائے۔ البتہ جہاں تک اموال تجارت میں نماء کا تعلق ہے تو ان کے ہاں عملاً نماء کا تحقق ضروری ہے محض تجارت کی نیت کافی نہیں بلکہ صاحب مال کا عملی طور سے تجارت کرنا لازمی ہے۔[23]

جب کہ جمہور علماء بالفعل نما کے قائل ہے ان کی تصریحات کے مطابق حولان حول کے ساتھ وجوب زکوۃ کو مشروط کرنے کا مقصد نماء کے تحقق کے لیے ہے۔

حوائج اصلیہ

حوائج اصلیہ سے مراد انسان کی بنیادی حاجات ہے اور اس بابت فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو اشیاء حوائج اصلیہ سے متعلق ہوں وہ زکوۃ کے حکم سے مستثنی ہے۔ احناف نے اس کی تصریح ہے: لِأَن سَبَب وجوب الزَّكَاة هُوَ الْمَال النامي الْفَاضِل عَن الْحَاجة۔[24] کہ وہ مال نامی اور حاجۃ اصلیہ سے زائد ہو۔ اس لیے حوائج کے لیے مختص مال کی حیثیت معدوم کی طرح ہوتی ہے۔[25]

جہاں تک حوائج کی بات ہے تو اس میں گھر، روٹی، کپڑا اور گھر کا سامان، سواری اور دوسری بنیادی ضروریات ہے جس کا تعلق انسان کی شخصی زندگی سے ہے چنانچہ ہر شخص کے احوال وظروف کے مطابق حوائج کا معیار بدلتا رہتا ہے جس

طرح فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک عالم کی ضرورت کتابیں ہے اگر ایک عالم کے پاس کروڑوں کی قیمت پر مبنی لائبریری ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہو گی کیوں کہ وہ اس کی حاجت اصلی ہے لیکن اگر غیر عالم کے پاس کتابوں کا سرمایہ ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہو گی اسی طرح اگر کتب اموال تجارت کی صورت میں ہو تو بھی اموال زکوۃ میں سے تصور ہو گی۔

اس لیے اس بابت زیورات کا خواتین کی نسبت سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ان کی حوائج میں شامل ہے یا نہیں کیوں زیورات کا تعلق خواتین کی زیب وزینت کے ساتھ ہے اور یہ ان کی فطری اور سماجی حاجت ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے ان کے لیے جائز قرار دیا تاکہ وہ زیب وزینت اختیار کر کے اپنے خاوند کو خوش رکھ سکے۔ جب کہ مرد کے لیے زیورات کا پہننا شرعاً ممنوع ہے کیوں کہ یہ اس کی مردانگی کے خلاف اور منصوص ممانعت پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء زیورات کو ممنوع اور مباح میں تقسیم کرتے ہیں۔

زیورات کی زکوۃ کے بارے میں فقہی مذاہب

ابتدائی مقدمات کے بعد استعمال کے لیے بنائے گئے زیورات میں زکوۃ کی وجوب اور عدم وجوب سے متعلق فقہائے کرام کی آراء اور ان کے استدلال کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ نفس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔ یہ مسئلہ عہد صحابہ ہی سے مختلف فیہ رہا ہے چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، جابر بن عبد اللہ، انس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف عدم وجوب پر مبنی ہے۔[26] جب کہ سیدنا عمر اور عبد اللہ بن مسعود، ابن عباس اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے وجوب کی روایات مروی ہے۔[27] جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک قول مروی ہے کہ اگر ایک خاص مقدار سے زیادہ ہو جائے تو اسراف اور تبذیر کی وجہ سے زکوۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔[28] اسی طرح تابعین کے مواقف بھی مختلف رہے۔ چنانچہ قاسم بن محمد اور شعبی عدم وجوب کی طرف گئے جب کہ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، ابن سیرین، مجاہد اور زہری وجوب کے قائل ہیں۔[29] اس بنیاد پر فقہاء کے مواقف میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور احناف زیورات میں زکوۃ کے وجوب کے قائل ہیں چاہے اس کا مقصد صرف استعمال ہو۔ جب کہ جمہور استعمال کے لیے بنائے گئے زیورات میں زکوۃ واجب قرار نہیں دیتے۔ ذیل میں دونوں آراء کے حاملین کے دلائل درج کئے جاتے ہیں۔

احناف کا موقف اور ان کے دلائل

فقہائے احناف زیورات میں زکوۃ کے وجوب کے مطلقاً قائل ہیں چاہے زیورات اموال تجارت کی غرض سے رکھے

گئے ہوں یا خواتین کے استعمال اور زیب وزینت کے لیے ہوں۔ اس حوالے سے ان کا استدلال نص قرآنی کے عموم سے ہے کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ[30]

اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

اس میں کنز کا لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے زیورات کو کنز قرار دیا ہے اور اس میں زکوۃ اداء نہ کرنے والے کو عذاب کی وعید سنائی ہے چنانچہ ام سلمی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے سونے کے زیور پہنے تھے جس بابت میں نے خدمت اقدس ؐمیں عرض کیا کہ کیا یہ کنز ہے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر آپ اس کی زکوۃ ادا کریں تو یہ کنز نہیں۔[31]

اس روایت میں جناب رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس پر کنز کا اطلاق اور اسے اس مذکورہ قرآنی وعید کے تحت داخل فرمایا۔ اسی طرح ایک اور روایت سنن ترمذی میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خواتین کو طواف کرتے ہوئے دیکھا جنہوں نے سونے کے کنگن پہنے تھے تو حضور اقدس ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم اس کا زکوۃ ادا کرتی ہو۔ انہوں نے خدمت اقدس ؐمیں غرض کیا کہ نہیں۔ تو آپ ؐنے فرمایا کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ جل شانہ تمہیں جہنم کے کنگن پہنائے۔ انہوں نے کہا نہیں تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی زکوۃ ادا کیا کرو۔[32]

ان روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے کنز کا اطلاق زیورات پر بھی کیا جائے گا اور زکوۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ آیت کا حکم لاگو ہو گا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی صحت کے بارے میں کلام کیا ہے کہ:

وهذا حديث قد رواه المثنى بن الصباح عن عمرو بن شعيب نحو هذا و المثنى بن الصباح و ابن لهيعة يضعفان في الحديث و لا يصح في هذا الباب عن النبي صلى الله وسلم شيء۔[33]

مثنی بن صباح اور ابن لہیعۃ اس کے رواۃ میں سے ضعیف ہے جب کہ اس باب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں لیکن سنن بیہقی میں اس بابت صحیح روایت مروی ہے جیسا کہ ما قبل میں مذکور ہے اور امام ابو داؤد نے بھی یہ روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے جس پر شیخ البانی نے صحت کا حکم لگا کے اسے درجہ حسن پر رکھا ہے۔[34] اس لیے امام ترمذی کا دعویٰ محل نظر ہے۔

فقہائے احناف کی ایک اور دلیل عقلی بنیاد پر مبنی ہے کہ:

وَلِأَنَّ الْحُلِيَّ مَالٌ فَاضِلٌ عَنْ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ إذْ الْإِعْدَادُ لِلتَّجَمُّلِ وَالتَّزَيُّنِ دَلِيلُ الْفَضْلِ عَنْ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ فَكَانَ نِعْمَةً لِحُصُولِ التَّنَعُّمِ بِهِ فَيَلْزَمُهُ شُكْرُهَا بِإِخْرَاجِ جُزْءٍ مِنْهَا لِلْفُقَرَاءِ.[35]

زیورات چونکہ حوائج اصلیہ سے زیادہ مال ہے کیوں کہ اس کا مقصد صرف تزئین اور تجمیل ہوتا ہے چنانچہ یہ ایک نعمت ہے جس کا شکر فقراء کی ضروریات پوری کرکے ادا کرنا چاہیے۔اسی طرح صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

ولنا أن السبب مال نام ودليل النماء موجود وهو الإعداد للتجارة۔[36]

زکوۃ کے وجوب کا سبب اس کا مال نامی ہونا ہے اور زیورات میں یہ سبب پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے تجارت کی جاسکتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ: لأنهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كانا[37] یہ دونوں بہر صورت ثمن خلقی کے قبیل سے ہے۔

امام طحاوی زیورات میں وجوب زکوۃ کے لیے قیاس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جب دراہم اور دنانیر کی صورت میں باوجود صیاغت اور شکل کے تبدیل ہونے کے زکوۃ واجب ہی ہوتی ہے تو زیورات کی صورت میں کیوں نہیں۔[38]

لیکن یہ قیاس کمزور ہے کیوں کہ مقیس اور مقیس علیہ کا مقصد بالکل مختلف ہے دراہم اور دنانیر کی صورت میں سونا یا چاندی اصل ثمنیت سے نہیں نکلتے بلکہ اس کی ثمنیت رائج الوقت سکہ کی شکل اختیار کرنے کے بعد مزید مضبوط ہوجاتی ہے اس کے برعکس زیورات کی صورت میں اس کا مقصد محض تزین اور تجمیل ہے جس کی وجہ سے ثمنیت کمزور پڑجاتی ہے اور نما کا عنصر بھی جاتا رہتا ہے۔

فقہائے احناف کے ہاں وہ زیورات جس میں کسی اور چیز کی آمیزش ہو اس صورت میں آمیزش کی مقدار کا اعتبار وجوب زکوۃ کے لیے ہوگا اگر سونا یا چاندی غالب ہو تو زکوۃ واجب ہوگی اور اگر آمیزہ غالب ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔[39]

جمہور علماء کا موقف اور ان کے دلائل

جمہور علماء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا موقف استعمال کے لیے بنائے گئے زیورات میں عدم وجوب پر مبنی ہے اس کے متعلق مالکیہ کی تصریح ہے کہ:

وفي جميعها الزكاة إلا في الملبوس وفي حلي الكراء خلاف.[40]

اس سے ماقبل میں بیان کی گئی تمام اشیاء میں زکوۃ واجب ہے البتہ پہننے اور استعمال کرنے کے لیے بنائے گئے زیورات میں زکوۃ نہیں جہاں تک کرایہ پر دینے کے لیے مختص زیورات کا تعلق ہے اس کا حکم مالکیہ کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ان

کا استدلال عدم نماء پر مبنی ہے اس بابت المعونۃ میں توضیح کی گئی ہے کہ:

لأنه مال قصد به الاقتناء وترك التنمي على وجه مباح، فلم تجب فيه الزكاة اعتبارًا بعروض القنية، ولأن المعتبر في وجوب الزكاة هو النماء لأنها تجب بوجوده وتسقط بعدمه، ألا ترى أن ما لا تجب في عينه زكاة إذا قصد به التنمي وطلب الفضل وجبت الزكاة لطلب النماء، فيجب أن يكون ما تجب في عينة الزكاة إذا عدل به عن طلب النماء على وجه مباح أن تسقط الزكاة فيه.[41]

یہ وہ مال ہے جس کا مقصد بڑہوتری نہیں بلکہ مباح طور پر مال کا حصول ہے اس لیے اس میں اس سامان کی طرح زکوۃ واجب نہیں ہو گی جو کوئی شخص اپنے استعمال کے لیے رکھے اور چونکہ وجوب زکوۃ میں اعتبار نما کا ہے جس کی وجہ سے اس کا وجوب اور عدم وجوب ثابت ہوتا ہے اس لیے زیورات میں نما نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ نہیں ہو گی۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جس چیز کے عین میں زکوۃ واجب نہ ہوتی جب اس میں نما طلب کیا جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔ یہ مستلزم ہے اس بات کو کہ جس چیز کی عین میں زکوۃ واجب ہوتی ہو جب اسے نما کے مقصد کی بجائے کسی اور مقصد کے لیے حاصل کیا جائے اس میں زکوۃ واجب نہ ہو۔

حنابلہ کے ہاں بھی زکوۃ واجب نہیں المغنی کے الفاظ یہ ہیں، وَلَيْسَ فِي حُلِيِّ الْمَرْأَةِ زَكَاةٌ إذَا كَانَ مِمَّا تَلْبَسُهُ أَوْ تُعِيرُهُ[42] جب زیورات زیب وزینت یا اعارۃ پر دیئے جاتے ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں۔ اس کا آسان لفظوں میں مفہوم یہ ہے کہ جب اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو رہا ہو تو وجوب زکوۃ نہیں۔

جمہور فقہاء کا مستدل سنن دار قطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ لیس فی الحلی زکاۃ[43] لیکن اس روایت میں میمون نامی راوی ضعیف ہے۔ اسی طرح انس بن مالک سے جب اس بابت پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اس میں زکوۃ کی عدم وجوب کا فتوی دیا۔[44]

جب کہ موطا امام مالک میں اس بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تعامل منقول ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب راوی اپنی روایت کے بر خلاف فتوی صادر فرمائے تو اس کی روایت ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ اس لیے سیدہ عائشہ سے منقول سنن ابو داؤد والی روایت کا اعتبار نہیں کیا ئے گا جس سے بظاہر وجوب ثابت ہو رہا ہے۔

ایک مرتبہ زکوۃ کا وجوب: اس بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ سونے اور چاندی کے وہ زیورات جن کا مقصد ذاتی استعمال یا کسی کو عاریہ کی شکل میں دینا ہو اور وہ بقدر نصاب ہو تو اس میں صرف ایک ہی دفعہ زکوۃ واجب ہو گی۔

یہ رائے حضرت قتادۃ رحمہ اللہ کے واسطے سیدنا انس بن مالک سے مروی ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي الْحُلِيِّ قَالَ: إِذَا كَانَ يُعَارُ وَيُلْبَسُ فَإِنَّهُ يُزَكَّى مَرَّةً وَاحِدَةً[45]

حضرت قتادۃ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جس کے پاس زیورات ہوں اور وہ اسے اپنے استعمال میں لاتی ہو یا عاریت پر دوسروں کو دیتی ہو تو وہ ایک ہی دفعہ اس کی زکوۃ ادا کریں۔

استعمال کے لیے نہ ہو: اگر زیورات خواتین کے استعمال کے لیے نہ ہوں بلکہ ویسے گھر میں رکھے ہوں تو اس صورت میں زکوۃ واجب ہو گی۔ جیسا کہ المنتقی میں درج ہے کہ:

إِنَّ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ تِبْرٌ أَوْ حُلِيٌّ لَا يُرِيدُهُ لِلُّبْسِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ عَلَيْهِ فِيهِ، لِأَنَّ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ مِنَ الْأَمْوَالِ الْمُعَدَّةِ لِلتَّنْمِيَةِ وَلِذَلِكَ يَجِبُ فِيهَا الزَّكَاةُ[46]

کیونکہ یہ ثمنیت کے حامل اموال میں سے ہیں اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ جو زیورات محض اپنے پاس رکھنے کے لیے ہوں جس کا مقصد استعمال نہ ہو اس میں زکوۃ واجب ہے۔[47] اس بابت اہم نکتہ یہ ہے کہ اس کا مقصد ادخار مال ہے نہ کہ تزئین و آرائش ذات ہے اس لیے اس میں زکوۃ کا وجوب لازمی امر ہے۔

تجارت کے لیے زیورات

جہاں تک تجارت کے لیے بنائے گئے زیورات کے حکم کا تعلق ہے تو اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں زکوۃ واجب ہو گی کیوں کہ اموال تجارت نمو پر مبنی ہے۔

مالکیہ کے ہاں اس کی قیمت کی بجائے وزن کا اعتبار کیا جائے گا بشرط یہ کہ وہ خالص سونے یا چاندی سے بنائے گئے ہوں۔ البتہ اگر اس میں کسی اور چیز کی آمیزش ہو تو اس صورت میں اغلب کا اعتبار ہو گا اگر جواہر یا موتی کا غلبہ ہو اور وہ اس سے جدا نہ ہو سکے تو قیمت کے اعتبار سے زکوۃ ادا کی جائیگی اور اگر اس کے پاس خالص ہیرے جواہرات یا موتیوں کے زیورات تجارت کی غرض سے ہو تو جب تک اسے فروخت نہ کر دے تب تک اس میں زکوۃ نہیں ہو گی چاہے اس کے پاس دو سال تک رہے۔[48] حنابلہ کے ہاں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ: فَإِنْ لَمْ تُعَدَّ للاسْتِعْمَالِ لَكِنْ لِلْكَرْيِ والنَّفَقَةِ إِذَا احتاجَ إِلَيْهِ فَفِيهِ زَكَاةٌ. وفي الأَوَانِي الْمُتَّخَذَةِ مِنَ الذَّهَبِ والفِضَّةِ الزَّكَاةُ۔[49]

اگر استعمال کے لیے نہ ہو بلکہ اجارۃ یا بوقت احتیاج نان و نفقہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہو گی۔

چنانچہ اموال تجارت کی صورت میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ نمو پایا جاتا ہے اس لیے نصاب اور حولان حول کی شرائط پائے جانے کی صورت میں باتفاق فقہاء زکوۃ واجب ہو گی۔

اصل وجہ اختلاف اور رائے راجح

استعمال کے لیے بنائے گئے زیورات میں وجوب اور عدم وجوب زکوۃ کی بابت جمہور اور فقہائے احناف کے مابین اختلاف کی بنیادی وجہ ابن رشد نے ذکر کی ہے کہ:

فَمَنْ شَبَّهَهُ بِالْعُرُوضِ الَّتِي الْمَقْصُودُ مِنْهَا الْمَنَافِعُ أَوَّلًا قَالَ: لَيْسَ فِيهِ زَكَاةٌ، وَمَنْ شَبَّهَهُ بِالتِّبْرِ وَالْفِضَّةِ الَّتِي الْمَقْصُودُ فِيهَا الْمُعَامَلَةُ بِهَا أَوَّلًا قَالَ: فِيهِ الزَّكَاةُ.[50]

جن حضرات نے اسے عروض اور سامان کی حیثیت دی ہے جس کا اصل مقصد استعمال ہوتا ہے انہوں نے اس میں زکوۃ کی عدم وجوب کی رائے اختیار کی ہے جبکہ جن فقہاء نے اس کو سونے اور چاندی کے معیار پر رکھا ہے جس کا مقصد اصلی خرید و فروخت ہے ان کے ہاں زکوۃ کے وجوب کی رائے راجح ہے۔ جب کہ اس سے متعلق مروی روایات کے بارے میں بدایۃ المجتہد کے مصنف کا خیال ہے کہ وَالْأَثَرَانِ ضَعِيفَانِ، وَبِخَاصَّةٍ حَدِيثُ جَابِرٍ،[51] دونوں روایات ضعیف ہیں، خاص کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت میں ضعف زیادہ ہے کیونکہ خود امام دار قطنی نے اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ مجتہد فیہ اور مختلف فیہ کے قبیل سے ہے اسی طرح صحابہ کرام کے آثار بھی اس بابت مختلف ہیں اور اخبار تابعین بھی مختلف آراء پر مبنی ہے۔[52]

جہاں تک فقہائے احناف کے موقف کا تعلق ہے تو ان کے اصول اور قیاس کا تقاضہ عدم وجوب ہے لیکن نص کی وجہ سے انہوں نے وجوب کا حکم لگایا ہے اور محض ثمن خلقی ہونے کا اعتبار نہیں کیا گیا ورنہ فقہائے احناف کی تصریحات کے مطابق بسا اوقات عدم نما کی وجہ سے نقد اور ثمن خلقی میں بھی باوجود حولان حول کے وجوب کا حکم نہیں جیسا کہ ابن ملک کے حوالے سے حاشیہ ابن عابدین میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس دراہم کی صورت میں نقد مال موجود ہے جو اس نے اپنے حوائج اصلیہ میں استعمال کی نیت سے رکھا ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہو گی اگرچہ اس پر سال گزر جائے۔[53] حاشیۃ الطحطاوی میں نفقہ کی تصریح ہے کہ اگر نفقہ کے لیے رکھے گئے مال پر ایک سال بھی گزر جائے تب بھی اس میں زکوۃ ادا نہیں کی جائے گی البتہ صاحب بدائع کا قول اس کے برعکس ہے[54]

اس بابت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا موقف زیادہ قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ خود خاتون اور ازواج مطہرات میں سے ہیں اس لیے ان کا قول قابل ترجیح ہے اور دراصل استعمال کی غرض سے حاصل شدہ زیورات میں نہ تو نماء پایا جاتا

ہے اور نہ ہی اس کا مقصد مال کا جمع کرنا ہے بلکہ یہ خواتین کی بابت ان کی فطری تقاضے کے مطابق ان کے لیے حوائج اصلیہ میں شامل ہے کیونکہ زیب وزینت اور بناؤ سنگھار ان کی بنیادی ضرورت ہے جب کہ اکثر وبیشتر خواتین کی ملکیت میں سوائے زیورات کے اور کچھ نہیں ہوتا اگر انہیں زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جائے تو نقدی نہ ہونے کی وجہ سے یا تو انہیں زیورات توڑ کر بیچنے پڑیں گے یا اس کی زکوۃ اس کا خاوند اس کی طرف سے ادا کرے گا اور دونوں صورتوں میں حرج پایا جاتا ہے۔

پہلی صورت میں زیورات ٹوٹنے کے بعد قابل استعمال نہیں رہیں گے بلکہ اس کی شکل وہیئت میں تبدیلی کا وقوع لازمی امر ہے جب کہ دوسری صورت میں جب خاوند زکوۃ ادا کرے گا تو اس کی حیثیت کیا ہوگی؟ یا تو وہ اپنی بیوی کو قرض دے رہا ہوگا یا وہ ہبہ کر رہا ہوگا۔ اگر بیوی قرض لے کر زکوۃ ادا کرے تو یہ مقصد زکوۃ کے منافی ہے کیونکہ مقروض شخص پر زکوۃ فرض نہیں جب کہ یہاں بیوی کے پاس زیورات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ افلاس کا شکار ہو سکتی ہے یا کم از کم اپنے زیب وزینت کے سامان سے محروم ہو جائے گی۔ اگر خاوند تبرعا اس کی طرف سے ادائیگی کرتا ہے تو اس صورت میں بھی شرعی جبر کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کی وجہ سے طیب نفس میں خلل بہر صورت پڑتا ہے جب کہ زکوۃ کی ادائیگی عبادت ہے اور مالکِ مال سے مطلوب اس کی ادائیگی اللہ پاک کی رضامندی کے لیے ہے اسی طرح اس صورت میں کسی ایک کا بوجھ دوسرے کے کندھے پر لادنے کی شکل بن جاتی ہے۔ مزید بر آں موجودہ دور میں زیورات کے اجزائے ترکیبی کا لحاظ بھی مد نظر رہنا چاہیے جس طرح کہ احناف کے ہاں خالص سونا، چاندی یا ان دونوں کا غلبہ ضروری ہے۔

مزید بر آں اس مسئلے سے متعلق اگر اس زاویے سے دیکھا جائے کہ سونا چاندی بذات خود ثمن خلقی ہے لیکن جب اسے زیورات کے قالب میں ڈھالا جائے تو اس کی وجہ سے نہ صرف اس کی ماہیت میں تغیر آتا ہے بلکہ اس کا مقصد بھی مختلف ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا حکم بھی مختلف ہونا چاہیے۔ کیونکہ زیورات کو نہ تو ثمن کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے نہ ہی اس کا مقصد یہ ہوتا ہے بلکہ محض تزئین وتجمیل مقصود اصلی ٹھہر جاتا ہے جو ان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے اس لیے اس کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

البتہ زیورات اگر ضرورت سے بڑھ جائیں اور اس کا استعمال نہ ہو یا بہت کم ہو تو اس صورت میں اسراف کا اندیشہ ہے اور حدیث مبارکہ میں اس پر لفظ کنز کا اطلاق زیادہ موزوں ہے جس کی وجہ سے اس پر زکوۃ کی ادائیگی کے وجوب کا حکم لگایا جانا زیادہ مناسب ہے جس طرح کہ ایک حنبلی فقیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک رائے کو اختیار کیا ہے۔ المغنی میں اس بابت تصریح کی گئی ہے کہ:

وَقَالَ ابْنُ حَامِدٍ يُبَاحُ مَا لَمْ يَبْلُغْ أَلْفَ مِثْقَالٍ، فَإِنْ بَلَغَهَا حَرُمَ، وَفِيهِ الزَّكَاةُ؛ لِمَا رَوَى أَبُو عُبَيْدٍ، وَالْأَثْرَمُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ: سُئِلَ جَابِرٌ عَنْ الْحُلِيِّ، هَلْ فِيهِ زَكَاةٌ؟ قَالَ: لَا. فَقِيلَ لَهُ: أَلْفُ دِينَارٍ؟ فَقَالَ: إنَّ ذَلِكَ لَكَثِيرٌ. وَلِأَنَّهُ يَخْرُجُ إلَى السَّرَفِ وَالْخُيَلَاءِ، وَلَا يُحْتَاجُ إلَيْهِ فِي الِاسْتِعْمَالِ.[55]

ابن حامد کے بقول جب تک ایک ہزار مثقال تک نہ پہنچے تب تک یہ مباح ہے اور اس مقدار کے بقدر حرام ہے جب کہ اس میں زکوۃ بھی واجب ہوگی جیسا کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے جب زیورات میں زکوۃ کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے عدم وجوب کا مؤقف ظاہر کیا لیکن سائل نے عرض کیا کہ اگر ایک ہزار دینار کے بقدر زیورات کی ملکیت پائی جائے تو فرمایا کہ یہ کنز ہے جو باعث اسراف اور تکبر ہے جس کے استعمال کی نوبت بھی نہیں آتی۔

سیدنا جابر کی طرف منسوب یہ روایت سنن البیہقی الکبری میں مذکور ہے جس کے الفاظ "لکثیر"[56] ہے لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں کہ زکوۃ کے وجوب کے وہ قائل ہیں یا نہیں، البتہ اس روایت کے ابتدائی حصے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر ان کا موقف زکوۃ کے متعلق عدم وجوب پر مبنی ہے کیونکہ جب سائل نے ان سے استفسار کیا تو ان کا جواب نفی پر مبنی تھا اور مقدار کی بابت انہوں نے فرمایا کہ یہ بہت زیادہ ہے جس سے اشارہ اسراف کی طرف ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر جائز حد تک استعمال کے لیے زیورات بنائے جائیں تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی البتہ اگر بڑی مقدار میں محض استعمال کے نام پہ سونا چاندی ذخیرہ کیا جائے تو اس میں زکوۃ کی ادائیگی واجب ہے اور اس پر کنز کا اطلاق ہوگا۔ اس صورت میں یہ اندیشہ بھی ہے کہ کوئی اس کو بطور حیلہ زکوۃ سے فرار کا راستہ اختیار کرنے کے لیے استعمال نہ کرے اس لیے وجوب زکوۃ کا حکم ضروری ہے۔

نتائج

اس بحث سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔

ا: استعمال کے لیے بنائے گئے سونے اور چاندی زیورات میں زکوۃ کے وجوب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین، تابعین اور فقہائے اربعہ کے ادوار میں مختلف فیہ رہا ہے۔

2: زیورات میں زکوۃ کے حکم سے متعلق تین آراء ہیں۔ فقہائے احناف کے ہاں مطلقاً زکوۃ واجب ہے جب کہ جمہور فقہاء کے ہاں مطلقا عدم وجوب ہے۔ اسی طرح ایک رائے کے مطابق صرف ایک دفعہ وجوب کے متعلق ہے جب کہ ایک موقف کے مطابق متعین مقدار ہے۔

۲: عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق جمہور علماء کا قول زیادہ مناسب اور راجح ہے بشرطیکہ وہ زیورات ذاتی استعمال کے لیے ہوں اور اس کی مقدار اسراف اور ذخیرہ اندوزی کی حد تک نہ پہنچے۔ کیوں کہ زکوۃ کے مطلقاً وجوب کا حکم لگانے سے حرج اور مشقت لازم آتا ہے۔

۳: قلب ماہیت کی وجہ سے مقصد بھی مختلف ہوتا ہے جس کا اثر حکم پر پڑتا ہے۔ چنانچہ سونا چاندی عام حالات میں اگرچہ ثمن خلقی ہے لیکن زیورات کی شکل اختیار کرنے کے بعد اس کا مقصد تجمیل وتزئین ہوتا ہے۔ اس لیے نما کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔

۴: اسی طرح کسی چیز کی نسبت کا اعتبار بھی اس کے حکم پر اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ کتابیں اگر کسی عالم کی ملکیت میں ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں کیونکہ وہ اس کی بنیادی ضرورت ہے اسی طرح خواتین کے استعمال کے لیے زیورات بھی ان کی حوائج میں سے ہے جس میں زکوۃ واجب نہیں جب تک کہ وہ استعمال کے لیے ہوں۔

۳: فقہائے احناف کے ہاں بھی سونے یا چاندی کے زیورات میں خالص سونا چاندی یا اس کے غلبے کا اعتبار وجوب کے ثبوت کے لیے کیا جائے گا لیکن اگر اس میں غش یا آمیزش کا غلبہ پایا جائے تو اس کا حکم دوسری اشیاء کی طرح ہو گا۔

۴: تجارت یا کسی اور غرض سے رکھے گئے سونے اور چاندی کے زیورات میں باتفاق فقہاء زکوۃ واجب ہے۔

حوالہ جات

---

[1] محمود بن عمرو الزمخشری۔ الکشاف عن حقائق غوامض التاویل، ج۲، بیروت: دار الکتاب العربی، ص۱۵۹

[2] محمد بن أحمد السرخسی۔ المبسوط، ج۹، بیروت، لبنان: دار المعرفة، ص۳۰

[3] : ایضاً

[4] القرآن۔ سورۃ الکھف آیت ۳۱۔

[5] القرآن۔ سورۃ الحج آیت ۲۳۔

[6] القرآن۔ سورۃ النحل آیت ۱۴۔

[7] محمد بن أحمد السرخسی۔ المبسوط

[8] عمر بن ابراہیم ابن نجیم۔ النہر الفائق شرح کنز الدقائق، ج۱، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیة، ص۴۳۶۔

[9] مالک بن انس۔ المدونة، بیروت، لبنان، ج۱، دار الکتب العلمیة، ص۳۰۵۔

[10] محمد بن احمد القرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن، ج۳، القاہرۃ: دار الکتب المصریة، ص۱۸۱

[11] یحیٰ بن ابو الخیر الیمنی۔ البیان، ج۱۰، جدۃ: دار المنہاج، ص۵۵۰۔

[12] عبد اللہ بن احمد ابن قدامۃ۔ المغني، ج۳، القاھرۃ: مکتبۃ القاھرۃ، ص۴۵۔

[13] محمد بن أحمد السرخسی۔ المبسوط، ج۲، ص۱۵۰۔

[14] عبد الرحمن بن محمد شیخی زادہ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ج۱، بیروت: دار احیا التراث العربی، ص۱۹۳۔

[15] محمد بن احمد السمرقندی۔ تحفۃ الفقہاء، ج۱، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ص۲۶۳۔

[16] ابو بکر بن مسعود الکاسانی۔ البدائع والصنائع، ج۲، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ص۴۔

[17] محمد امین ابن عابدین۔ رد المختار علی الدر المختار، ج۲، بیروت لبنان: دار الفکر، ص۲۵۹۔

[18] محمد بن احمد السمرقندی۔ تحفۃ الفقہاء، ج۱، ص۲۷۱۔

[19] عبد الوھاب بن علي الثعلبي۔ المعونۃ علي مذھب عالم المدینۃ، ج۱، المکۃ المکرمۃ: المکتبۃ التجاریۃ، ص۳۷۶۔

[20] علی بن محمد الماوردی۔ الحاوی الکبیر، ج۳، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ص۸۹۔

[21] عبد اللہ بن احمد ابن قدامۃ۔ الکافی فی فقہ اہل المدینۃ، ج۱، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ص۳۸۳۔

[22] ابو بکر بن مسعود الکاسانی۔ البدائع والصنائع، ج۲، ص۱۱

[23] عمر بن ابراہیم ابن نجیم۔ النہر الفائق شرح کنز الدقائق، ص۴۱۷۔

[24] محمد بن احمد السمرقندی۔ تحفۃ الفقہاء، ج۱، ص۲۷۱۔

[25] عمر بن ابراہیم ابن نجیم۔ النہر الفائق شرح کنز الدقائق، ص۴۱۴۔

[26] احمد بن محمد الطحاوی۔ احکام القرآن، ج۱، استنبول: مرکز البحوث الاسلامیہ، ص۲۶۲۔؛ حسین بن مسعود البغوي۔ شرح السنۃ، ج۶، دمشق: المکتب الاسلامي، ص۴۹

[27] ایضاً، ج۱، ص۲۶۳۔

[28] محمد بن احمد ابن رشد۔ بدایۃ المجتھد، ج۲، القاھرۃ: دار الحدیث، ص۱۱۔

[29] حسین بن مسعود البغوي۔ شرح السنۃ

[30] القرآن۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۴۔

[31] احمد بن الحسین البیہقی۔ سنن البیہقی الکبری، ج۴، باب تفسیر الکنز الذی ورد فیہ الوعید، رقم الحدیث ۷۰۲۶، مکۃ المکرمۃ: مکتبۃ دار الباز، ص۸۳۔

[32] محمد بن عیسی ترمذی۔ سنن الترمذی، ج۳، باب زکاۃ الحلی، رقم الحدیث ۶۳۷، بیروت: دار احیا التراث العربی، ص۲۹۔

[33] ایضاً۔

[34] سلیمان بن الاشعث السجستانی۔ سنن ابو داؤد، باب الکنز ماھو رقم الحدیث ۱۵۶۵، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، ص۹۵۔

[35] ابو بکر بن مسعود الکاسانی۔ البدائع والصنائع، ج۲، ص۱۷۔

[36] علی بن ابو بکر المرغینانی۔ الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، ج۱، بیروت: دار احیا التراث العربی، ص۱۰۳۔

[37] احمد بن محمد الطحطاوی۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ص۷۱۴۔

38 احمد بن محمد الطحاوی۔ احکام القرآن للطحاوی، ج ۱، ص ۲۶۳۔

39 محمد بن احمد السمرقندی۔ تحفۃ الفقہاء، ج ۱، ص ۲۶۵۔

40 عبد الوهاب بن علي الثعلبي۔ التلقين في الفقه المالكي، ج ۱، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ص ۵۹۔

41 عبد الوهاب بن علي الثعلبي۔ المعونة علي مذهب عالم المدينة، ج ۱، المکۃ المکرمۃ: المکتبۃ التجاریۃ، ص ۳۷۶۔

42 عبد اللہ بن احمد ابن قدامۃ۔ المغنی، ج ۳، ص ۴۱۔ 1

43 علی بن عمر الدار قطنی۔ سنن دار قطنی، ج ۲، باب لیس في الحلي زكاة، رقم الحدیث ۴، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۰۷

44 ایضاً، ص ۱۰۹۔

45 احمد بن الحسین البیہقی۔ سنن البیہقی الکبری، ج ۴، باب من قال لا زکاۃ فی الحلی، رقم الحدیث، ۷۳۳۱، حیدر آباد: مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ص ۱۳۸۔؛ امام بیہقی نے سنن کبری میں باقاعدہ باب باندھ کر صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال نقل کئے ہے جن کے ہاں زیورات میں زکوۃ واجب نہیں اور اس حوالے سے عبد اللہ بن عمر، اسماء بنت ابی بکر، اور سیدۃ عائشہ صدیقہ کا تعامل بھی منقول ہے کہ وہ زیورات میں زکاۃ ادا نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف جو حضرات اس میں وجوب زکوۃ کے قائل ہے ان میں سے شعیب بن یسار سے منقول دو روایتیں مذکور ہیں، جنہیں بیہقی نے مرسل قرار دیا ہے جب کہ حضرت عائشہ اور حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نقل کی ہے اس کے بعد علقمہ کا قول نقل کیا ہے لیکن بیہقی نے اس کے مرفوع ہونے سے متعلق فیصلہ۔ لیس بشیٔ۔ کہہ کر دیا ہے۔(انظر، سنن البیہقی الکبری، باب من قال لا زکاۃ فی الحلی، وباب من فی الحلی زکاۃ)

46 سلیمان بن خلف الباجی۔ المنتقی شرح الموطا، ج ۲، مصر: مطبعۃ السعادۃ، ص ۱۰۷۔

47 محمد بن محمد الغزالی۔ الوسیط فی المذہب، ج ۲، القاہرۃ: دار السلام، ص ۴۷۵۔

48 یوسف بن عبد اللہ القرطبی۔ الکافی فی فقہ اہل المدینۃ، ج ۱، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ص ۳۰۱۔

49 محفوظ بن احمد الکلوذاني۔ الھدایۃ علي مذهب امام احمد، موسسۃ غراس للنشر، ص ۱۳۸۔

50 محمد بن احمد ابن رشد۔ بدایۃ المجتہد

51 ایضاً، ص ۱۱۔

52 احادیث اور آثار سے متعلق ما قبل میں وضاحت کی گئی ہے اور اس اختلاف روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بابت وجوب مطلق کا ثبوت مشکل ہے۔

53 محمد امین ابن عابدین۔ رد المختار علی الدر المختار، ج ۲، بیروت: دار الفکر، ص ۲۶۲۔

54 احمد بن محمد الطحطاوی۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۴۷۔

55 عبد اللہ بن احمد ابن قدامۃ۔ المغني، ج ۳، ص ۴۳۔

56 احمد بن الحسین البیہقی۔ سنن البیہقی الکبري، ج ۴، باب من قال لا زکاۃ في الحلي، رقم الحدیث ۷۳۳۰، ص ۳۸۰۔